انتساب

شمس الرحمٰن فاروقی اور سلیم احمد
کے نام
جن کی تحریروں نے ادب اور آرٹ کے
متعلق میرے لاتعداد شبہے اور کج خیالیاں
زائل کی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں
نے میرے ذہن میں ادب، تہذیب اور
روایت کا ایسا نقشہ تیار کیا کہ جب کبھی
کسی ذہین ترین شخص سے سابقہ پڑا
تو جھینپنے کی ضرورت پیش نہیں آئی!

دفتر ہمیں کہ معنویاں چوں نوشتہ اند
الفاظ را فگندہ و مضموں نوشتہ اند
طالب آملی

For it is truly, O Lord, the best proof

We way give of our dignity.

This ardent sob which rolls from age to age

and dies on the shore of your eternity!

—— *Baudelaire*

The same words may be used in the metaphoric process in two different ways ... one of them creates a metaphor in which the similarity is perceptible to the eye; the other creates a metaphor suggestive of a quality which can be conceived only by the imagination.

Abdul Qahir Jurjani

[The] opposition between symbolic expressions whose new meanings can be established and those in which such a specification is impossible seems to have been first examined by Abd al Qahir al-Jurjani in a detailed and unbiased way ... according to Jurjani, tropes are of two kinds : they have either to do with the intellect or with imagination ... tropes of the imagination ... point to no particular object, thus what they state is neither true nor false; the search for their meaning is a prolonged process, if not an endless one ...

Tzvetan Todorov

عربی میں دو متناقض مثلیں مشہور ہیں۔ ایک یہ ہے کہ کم ترک الاول لا آخر (یعنی اگلے بہت کچھ پچھلوں کے لئے چھوڑ گئے ہیں) اور دوسری مثل یہ ہے کہ ما ترک الاول لا آخر (یعنی اگلوں نے پچھلوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا) ان دونوں مثلوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ اگلے بہت سی ادھوری باتیں چھوڑ گئے ہیں تا کہ پچھلے ان کو پورا کریں لیکن انہوں نے پچھلوں کے لئے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کا نمونہ موجود نہ ہو۔

خواجہ الطاف حسین حالی

ہمارے ہاں ادب کے بارے میں کبھی کبھار مضمون تو لکھے جاتے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ تنقید کیا چیز ہے اور کیسی ہونی چاہئے۔ بفرض محال اس قسم کا سوال کسی کے ذہن میں پیدا ہو تو بھی اس وقت تنقید کی کوئی تجریدی تعریف معلوم کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ اصل چیز تو یہ ہے کہ آج کل ادب کی جو حالت ہو رہی ہے اور ادب کو جو مسائل درپیش ہیں ان کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے کہ اس وقت جمود توڑنے کے لئے تنقید کیا کر سکتی ہے۔ تنقید کو شطرنج بنانا ہے تب تو بات دوسری ہے لیکن اگر تنقید تخلیقی سرگرمیوں کا ایک حصہ بن سکتی ہے تو پھر موجودہ ادبی صورت حال کو نظر انداز کر دینے کے بعد تنقید کا کوئی فریضہ باقی نہیں رہ جاتا۔

محمد حسن عسکری

A beautiful line without meaning is more valuable than a less beautiful one with meaning.

Stephane Mallarme

No Poet, no artist of any art has his complete meaning alone. His significance, his appreciation is the appreciation of his relation to the dead poets and artists. You cannot value him alone; you must set him, for contrast and comparison, among the dead. I mean this as a principle of aesthetic not merely historical, criticism. The necessity that he shall confirm, that he shall cohere, is not oneside; what happens when a new work of art is created is something that happens simultaneously to all the works of art which preceded it.

T. S. Eliot

لہٰذا آج ہمارے لئے سب سے بڑے کام یہ ہیں: اوّل تو اپنی تہذیبی میراث کی قدر و قیمت کو پھر سے قائم کرنا، اور اس کے لئے سب سے پہلا قدم یہ اٹھانا کہ کلاسیکی شعریات کو اسٹیج کے مرکز میں لے آنا۔ ملحوظ رہے کہ یہ شعریات محض غزل کے لئے نہیں، بلکہ تمام کلاسیکی اصنافِ شعر و نثر کے لئے ہمارے کام آئے گی۔ اور اس کے ذریعے ہمیں سنسکرت اور فارسی شعریات میں بھی داخلہ مل سکے گا۔ نئے ادب کے طالب علم کے لئے سب سے دل کش پہلو اس کام کا یہ ہے کہ قدیم شعریات کے ذریعے جو تناظر اسے حاصل ہوگا، وہ اسے نئے ادب اور جدیدیت کو بھی سمجھنے میں مدد دے گا۔

شمس الرحمٰن فاروقی

ادب کا رشتہ قاری سے بہت گہرا ہوتا ہے۔ ادب کا ہر وقیع رجحان، ادیبوں کی ذاتی زندگی اور ذاتی رجحانات سے زیادہ اس معاشرہ کی ترجمانی کرتا ہے جس میں وہ پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ اس صورت میں نئے ادب، اور اس کی مقبولیت کو ملایا جائے اور ترقی پسندوں کی تھیوری اس پر چلائی جائے تو خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ جو تے نئے ادیب کر رہے تھے۔ دراصل وہ معاشرہ کی ہمہ گیر مثلی کا نتیجہ تھی۔

سلیم احمد

کس طرح خانۂ گردوں کی بنا ہو دل چسپ
معنی اس بیت کے اک ہم ہیں سو آورد کے ساتھ

دیباچہ

عسکری صاحب پر اپنی تھیسس کو پیش کرتے ہوئے میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اسے تنقید کہوں یا کچھ اور ـــــ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا ذہن تنقید کے کسی ٹھوس نظریاتی تصور سے خالی ہے یا میں اس تصور کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھے Poorlittle Buggers کہلانا زیادہ پسند ہے۔ ان کی طرح میں بھی نہ قاضی ہوں، نہ مفتی، نہ محتسب نہ چوکیدار، بس اتنی اہلیت ضرور رکھتا ہوں کہ لفظوں کو جوڑ کر ایک دلچسپ مرکب کی شکل دے دیتا ہوں۔ مجھے اس بات سے خوف نہیں آتا کہ آنے والی نسل مجھے ادیب کہے گی یا نقاد۔ میں کچی دھاتوں کے ایک ڈھیر پر بیٹھ کر جوہری بننے کی خواہش نہیں رکھتا۔ میری تحریریں تنقید ہوں یا نہ ہوں البتہ اتنی بات مجھے معلوم ہے کہ لفظوں کے ان مرکبات میں وہ تجربہ ضرور موجود ہوگا جو دنیا بھر کے ادب اور بھاری بھرکم شخصیتوں کو پڑھنے کے بعد مجھے حاصل ہوا ہے۔

عسکری صاحب کہتے تھے کہ ''عظیم ادب پارے پیدا کرنے کے لئے ان عظیم سایوں کا احساس ضروری ہے جو آپ کا راستہ روکتے ہوئے معلوم ہوں۔'' خوش قسمتی سے وہ احساس میرے ہاں محمد حسن عسکری اور شمس الرحمٰن فاروقی کی شکل میں موجود ہے۔ ان کی تحریروں نے ادب اور روایت کے متعلق میرے لاتعداد شبہے اور کج خیالیاں زائل کی ہیں اور اگر سوتے وقت میرے سرہانے کی دائیں طرف محمد حسن عسکری کی ''جھلکیاں'' اور بائیں طرف فاروقی صاحب کی ''شعر غیر شعر اور نثر'' رہتی ہے تو اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ میں ان دیوقامت افراد کا وجود تسلیم کرتا ہوں اور ان سے اپنا قد ناپتا رہتا ہوں۔ قد ناپنے کا یہ عمل اس وقت سے جاری ہے جب میں نے پہلی دفعہ شب خون پڑھنا شروع کیا۔ میں بی اے کا طالب علم تھا انہیں دنوں میں محمد حسن عسکری کی تحریروں سے واقف ہوا۔ ادب اور کچھ فرانسیسی ادیبوں پر ان کے مضامین پڑھ کر میرے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے، مجھے احساس ہی نہیں تھا کہ عالمی ادب و روایت سے واقفیت کا یہ درجہ اور معیار بھی ممکن ہے۔ عسکری صاحب کے مضامین میں جو علمیت اور وسیع فضا ملتی تھی وہ میرے لئے خاصی دل شکن تھی کیوں کہ میں ان کے سامنے خود کو اسفل درجے کا جاہل اور کم علم پاتا تھا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ میری یہ جہالت اور کم علمی ہی ایک دن میرے کام آئے گی۔ اور مجھ میں یہ حوصلہ بھر دے گی کہ میں محمد حسن عسکری جیسے بھاری پتھر کو اٹھانے کی کوشش کروں گا۔

کلکتہ یونی ورسٹی میں ایم اے کرنے کے دوران ہی میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر حالات سازگار رہے تو عسکری صاحب پر کام کروں گا۔ ایم-اے کرنے کے فوراً بعد میں نے فاروقی صاحب سے اس سلسلے میں رابطہ کیا۔ عسکری صاحب پر کام ـــــ اور وہ بھی ہندوستان میں ـــــ فاروقی صاحب کا چونکنا فطری تھا۔ لیکن میری خواہش بلکہ ضد کا پہلا احترام انہوں نے ہی کیا۔ پلک جھپکتے ہی عسکری صاحب کا مکمل کام پاکستان سے منگوا کر انہوں نے میرے حوالے کر دیا۔ فاروقی صاحب کی ذاتی لائبریری میرے لئے ہمیشہ کھلی رہی۔ کتابوں کا عکس ہو یا خطوط کا جواب ہر موڑ پر انہوں نے میری مدد کی۔ ان کی علمیت کا تو میں برسوں سے قائل تھا اب ان کی محبت کے آگے بھی میری نظریں تقدس و احترام سے خم ہو جاتی ہیں۔

ریسرچ کا کام شروع کرنے سے پہلے میرے سامنے نگراں کے انتخاب کا مسئلہ بھی تھا۔ عسکری صاحب جیسی شخصیت پر کام کرنے کے لئے

ایک ایسی شخصیت کی رہنمائی ضروری تھی جس نے مشرق ومغرب کے ادب کا اچھا خاصہ حصہ پڑھ رکھا ہو جو ادب اور خبر کے فرق سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ عسکری، مظفر علی سید، سلیم احمد، ممتاز شیریں، سراج منیر اور انتظار حسین کے نام سن کر یہ نہ کہتا ہو کہ یہ صاحبان کیا بیچتے ہیں۔ چنانچہ مجھے ڈاکٹر شہناز نبی صاحبہ کی شکل میں وہ خضر نظر آیا جو میرے سوالوں کا جواب دے سکتا تھا۔ میں نے Synopsis تیار کیا اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ میں عسکری صاحب پر کام کرنے کا خواہش مند ہوں۔ انہوں نے میرے انتخاب کی داد دی اور ایک تبسم کے ساتھ Synopsis پر Signature کر دیا وہ وقت ہے اور آج کا دن ریسرچ کے ہر موڑ پر ان کی رہنمائی میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔ ڈاکٹر صاحبہ نے پیٹ پیٹ کر مجھ سے یہ تحریریں لکھوائی ہیں اگر وہ نہ ہوتیں تو یہ تھیسس اس طرح نہ لکھی جاسکتی جس طرح یہ اب لکھی گئی ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ (شہناز نبی) اور فاروقی صاحب کے علاوہ ڈاکٹر آفتاب احمد، جمال پانی پتی، انتظار حسین، گوپی چند نارنگ، شمیم حنفی، ابوالکلام قاسمی، عتیق اللہ، فضیل جعفری، وارث علوی، مبین مرزا اور اجمل کمال سے بھی میری بات چیت ہوتی رہی ہے۔ ہندوستان میں عسکری صاحب پر بہت ہی کم لکھا گیا ہے البتہ پاکستان میں تنقید کا ہر رستہ عسکری صاحب سے ہو کر جاتا ہے چنانچہ عسکری صاحب پر لکھے گئے پاکستانی اسکالروں کے نایاب مضامین کی فراہمی چودھری ابن النصیر صاحب نے کی عسکری صاحب پر وہ معلومات کا خزانہ ہیں۔ ان پر کب، کہاں اور کیا لکھا گیا ہے اس معاملے میں چودھری صاحب کی یادداشت کا مقابلہ صرف فاروقی صاحب کے ساتھ ہی کیا جاسکتا ہے۔ بڑے بھائی خواجہ جاوید اختر نے بھی ہر مقام پر میری ہمت بڑھائی اور کام کے سلسلے میں مفید مشوروں سے نوازا۔ اہم پاکستانی رسالوں کی فراہمی میں امین اختر بھائی (منیجر شب خون کتاب گھر) نے جو مدد کی اسے میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ معاصر پاکستانی رسائل وہ مجھے پابندی سے بھیجتے رہے جن سے مجھے یہ پتہ چلتا رہا کہ پاکستانی ادیب خصوصاً نئی نسل عسکری صاحب کے کام کو کس طرح Judge کرتی ہے۔ مذکورہ لوگوں کے علاوہ میرے گھر والوں اور احباب نے ہر مقام پر میرا ساتھ دیا۔ ان کی محبتوں کو میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔

تو یہ تھے وہ حالات جو عسکری صاحب پر کام کرنے سے پہلے اور اس کے دوران پیش آئے۔ اب کام مکمل ہو چکا ہے لیکن تھیسس کے متعلق میں اپنی رائے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں کیوں کہ میں آپ کے اور اپنی تحریروں کے درمیان آنا نہیں چاہتا اور نہ پڑھنے سے پہلے آپ کے دماغ کو ایک مخصوص تاثر قبول کرنے کے لئے تیار کرنا چاہتا ہوں وہی تاثر زیادہ قابل قدر ہے جو آپ آزادانہ قائم کریں۔ میری گزارشات تو محض تقابلی مطالعہ کے لئے مفید ہوسکتی ہیں۔

اگر میری تحریروں (تھیسس) میں کچھ خوبیاں ہیں تو وہ سراسر عسکری، فاروقی، سلیم احمد اور میری نگراں ڈاکٹر شہناز نبی کی تحریروں اور تربیت کا ثمرہ ہیں جو کوتاہیاں اور کمزوریاں ہیں ظاہر ہے کہ وہ میری ہیں۔ عسکری، فاروقی، سلیم احمد اور ڈاکٹر صاحبہ (شہناز نبی) میرے لئے محض ادبی نام نہیں بلکہ یہ وہ اشخاص ہیں جنہوں نے میرے ذہن میں ادب تہذیب اور روایت کا ایسا نقشہ تیار کیا ہے کہ جب بھی کسی ذہین ترین شخص سے سابقہ پڑا تو جھینپنے کی نوبت نہیں آئی۔

ندیم احمد

**